ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

فارسی کا ایک فراموش شدہ شاعر

شعری قادری

آخری دور میں برصغیر پاک و ہند میں اپنی ناقدری اور زوال پذیری کے باوصف فارسی شاعری نے ہمیشہ باذوق ، طبع رسا کے مالک اور ستائش و صلہ سے بے نیاز شعرا کی وساطت سے اپنا وقیع وجود منوایا ہے ۔ اِس دور میں بعض ایسے شعرا نے مناسب حد تک شہرت و ناموری حاصل کی ، لیکن بعض وجوہ کی بنا پر اپنی تمام تر استادی و مہارت اور جدّت کے باوجود ، وہ گوشۂ فراموشی و گمنامی میں جا گرے ۔ شعری قادری کا تعلق ایسے ہی شعرا کی جماعت سے ہے ۔ شعری ، غالب کا ہم عصر اور خطۂ جنت نظیر کشمیر کا رہنے والا تھا ۔

خواجہ ابو محمد حسن متخلص بہ شعری ماہ رجب المرجب ۱۲۲۳/ستمبر ۱۸۰۸ میں کشمیر میں پیدا ہوا ۔ اس کا والد صدر الدین بج اعیانِ کشمیر میں سے تھا ۔ اس کے اجداد منگولوں کے قیامت خیز ہنگامے میں بخارا سے ہجرت کر کے سلطان زین العابدین کے عہد میں واردِ کشمیر ہوئے ۔ یہ لوگ ارباب علم اور دانش تھے، اور جیسا کہ بعض تذکروں سے پتا چلتا ہے شعری کے جدِّ بزرگ نواب ابو البرکات بھی ، جو اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں مناصبِ عالیہ پر سرفراز تھے ، شعر گوئی کے ذوق سے آراستہ تھے ۔ ان کے یہ دو اشعار تذکروں میں نمونے کے طور پر ملتے ہیں ۔

بر دورِ عارضت خطِ ریحان نوشتہ اند
یا بوستان بگرد گلستان نوشتہ اند
ننوشتہ ہمچومن کسی اوصافِ زلفِ تو
جمع نوشتہ اندو پریشان نوشتہ اند

پندرہ برس ہی کی عمر میں اسکی شادی کردی گئی ۔ کچھ عرصے بعد اس کے دو بیٹے ، پھر والد اور بھائی یکے بعد

دیگرے وفات پا گئے ، جس کے نتیجے میں آزردگی و غم کا شکار ہو کر اس کا دل اپنے مولد سے اٹھ گیا اور وہ پانپور چلا گیا ، لیکن شومیٔ قسمت کہ وہاں بھی اسے ایسی فرصت و راحت میسر نہ آسکی کہ وہ اپنے ان روح فرسا غموں کو بھول جاتا ، بلکہ بیوی کی وفات کی صورت میں ، الٹا اسے ایک اور بڑے، غم کا سامنا کرنا پڑا ۔ آخر وھاں سے بھی وہ ہجرت پر مجبور ہوا ۔ اب کے اس نے پنجاب کا رخُ کیا ۔ اس سلسلے میں وہ ایک جگہ کہتا ہے ۔

خواہم چوشانہ دست بزلفِ تبان کنم
سیرِ سوادِ اعظم ہندوستان کنم

وہ مہاراجہ کھڑک سنگھ والئ پنجاب کے عہد میں امرتسر پہنچا ۔ یہاں اس نے پشمینہ کی تجارت شروع کی ، لیکن چونکہ اس جگہ اسکی کما حقہٗ ،قدرو منزلت نہ ہوئی اسلئے دہلی چلا گیا ۔ جہاں کچھ عرصہ وہ مشہور شاعر خواجہ صدرالدین آزردہ کا مہمان رہا ۔ ایک روز آزردہ اسے غالب کے یہاں لے گئے ۔ غالب نے اس کی طبع آزمانے کی خاطر اسے ایک مصرع دیا تاکہ وہ شعر کہے ۔

باز ماندم خود وگرنہ در برُویم باز بود

شعری نے فی البدیہہ ایک غزل کہہ ڈالی جس کے تین اشعار یہ ہیں ۔

چشم مخمورِ کہ یارب دوش مستِ ناز بود ؟
یک جہان دل پایمالِ شوخیِ انداز بود
ہر کرا در دیدہ جادادم چو طفلِ اشکِ خویش
چون قدم بیرون نہاد از خانہ ام غمّاز بود
جلوۂ دلدار می خواہد مرا شعری حریف
باز ماندم خود ، وگرنہ در برُویم باز بود

جیسا کہ فرزندِ شعری غلام احمد نامی (مرتبِ کلّیات شعری) نے ایک جگہ لکھا ہے ، دہلی میں ایک موقع پر ایک مشاعرہ ہوا ، جس میں غالب ، مومن ، صہبائی اور علوی وغیرہ نے بھی غزلیں پڑھیں ۔ اس مشاعرے کے لیے مصرع طرح تھا :

ندانم از کجا این جوش شادابی ست مینا را

شعری نے جو غزل پڑھی اس کی اسے خاصی داد ملی ـ اس غزل کے چند اشعار:

جنونی کو کہ دست از آستین بیرون نہد پا را
زند چاکی بجیب و خوش کند دامان صحرا را
عروج ذروۂ تجرید را وارستگی باید
درین رہ خار دامنگیر شد سوزن مسیحا را
بجز انبار حسرت ہیچ حاصل کی دہد شعری
بکشت عشقبازی کاشتن تخم تمنا را

کچھ عرصہ دہلی میں قیام کر کے شعری بنارس کے راستے کلکتے کی طرف متوجہ ہوا ، لیکن اس کے اشعار سے واضح ہوتا ہے کہ اہلِ کلکتہ نے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا (اس کا تجربہ غالب کو بھی ہوا تھا ـ) نتیجتۃً اس نے بڑے تند اور کاٹ دار لہجے میں ان کی ہجو کہی ـ

اہلِ کلکتہ کے سلوک نے اسے وہاں سے رختِ سفر باندھنے پر مجبور کر دیا ـ چنانچہ وہ مختلف شہروں میں گھومتا ، ٹھہرتا اور قیام کرتا آخر وطن واپس پہنچ گیا ـ لیکن اس کی سیماب طبعی نے پھر اسے چین نہ لینے دیا اوروہ پھر امرتسر روانہ ہو گیا ـ اپنے اس اضطراب کی عکاسی کچھ اس دلچسپ انداز میں کی ہے ـ الفاظ کی تکرار سے ان اشعار مین ایک خاص حسن پیدا ہو گیا ہے :-

خیز شعری پر کشا چون باز ، باز
خویشتن را با سفر دمساز ساز
توشدی درخطۂ کشمیر ، میر
خاکِ این سر منزلِ دلگیر گیر
پند پنداری تو ای ناکام کام
گشتہ ای چون خاک باآرام ، رام
چشم سازی ازل دل بیدار دار
بند بر سیر جہان بک بار بار

جب وہ اپنی دوسری بیوی کے ساتھ ، جس سے اس نے ۱۲۶۰/ ۱۸۴۴ء میں شادی کی تھی ، امرتسر پہنچا تو وہاں کے رؤسا و عمائد نے اس کی اچھی پذیرائی اور قدر دانی کی ـ

سردار دیال سنگھ رئیس مجیٹھ (امرتسر کے نزدیک ایک قصبہ) نے اس کے لیے وظیفہ مقرر کیا جو اس کی وفات کے بعد بھی اس کی اولاد کو ملتا رہا ۔ شعری نے فالج کی بیماری میں رجب ۱۲۹۸/جون ۱۸۸۱ء کو اس دار فانی سے کوچ کیا ۔ یہ عجیب بات ھے کہ وفات سے ایک روز قبل اس نے اپنی تاریخ وفات خود کہی :

جُست تاریخِ فوتِ خود شعری
شد ندا رحمت خدا آمد [۱]

شعری کو اپنی شاعری پر ناز تھا جس کا اظہار اس کے اکثر اشعار میں نظر آتا ھے ۔

نکتہ پرداز اگر ہست فقیر است امروز
پیش ازیں عہد شنیدم کہ غنی هم بُودست [۲]

مثنوی لعل و گوہر میں ایک جگہ کہتا ھے:۔

کشمیر زمن چو سرفراز است
ایران بوجودمن بناز است
ہند است زمن ترانہ پرداز
از من عرب و عجم هم آواز

ایک اور جگہ اپنی غزل کی تعریف اِن الفاظ میں کرتا ھے ۔

برغز لہائی شعری کشمیر
آفرین گفت سعدی شیراز

ممکن ھے شعری کے اِن اشعار کو محض تعلّی سمجھ کر اس سے اعتنا نہ کیا جائے ،لیکن یہ حقیقت ھے کہ شعری کا کلام اس لایق ھے کہ اُس سے اعتنا کیا جائے ۔ اُس کی یہ بدقسمتی ھے کہ اسے صحیح طریقے سے کسی نے متعارف نہیں کرایا ۔ اس

---

[۱] شعری کے حالاتِ زندگی اس کے بیٹے غلام احمد نامی کی مرتب کردہ کلیات شعری (بنام مرآت خیال) کے مقدمے سے ماخوذ ھیں جو فارسی میں ھے اور کچھ اس کے اشعار سے لئے گئے ھیں ۔

[۲] شاہجہانی دور کا مشہور فارسی شاعر غنی کاشمیری (م ۱۰۷۹/۹ ۔ ۱۶۶۸)

کا کلام استادانہ ، پختہ اور فنی و معنوی ہر لحاظ سے کئی خوبیوں کا حامل ہے ۔ اُس نے تقریباً ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے ۔ تاہم قصیدہ اور غزل اس کا خاص میدان ہیں ۔ تاریخ گوئی میں اِسے خاص ملکہ حاصل ہے ، چنانچہ اس کے کلّیات میں مختلف موقع پر کہی گئی کوئی دو سو ستر کے قریب تاریخیں ہیں جن میں سے بعض کا تعلق اہم اور تاریخی واقعات سے ہے ، اور یوں ان تاریخوں کی اپنی ایک اہمیت بن گئی ہے ۔ مثلاً ترکوں نے جب قلعہ سواستو پول (SWASTO POLE) فتح کیا تو شعری نے اِس کی خوشی میں ایک قصیدہ لکھ کر سلطان عبدالمجید کو ارسال کیا ۔ اِس میں اس فتح کی تاریخ بھی تھی ۔ سلطان نے انعام کے علاوہ " آفتابِ ہند " کے لقب سے اسے نوازا ۔ اِس قصیدے کا قافیہ خاصا دشوار ہے ۔ حیرانی ہوتی ہے کہ وہ اس سے کیونکر عہدہ برآ ہوا ۔ اس کے آخری چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں دو جگہ اُس نے ہجری اور عیسوی تاریخیں نکالی ہیں ۔

ازپی تاریخ سال عیسوی می خواست دل
تا پدید آید بلوحِ عاج نقشِ آبنوس
گفت شعری چون سراعدا نخستین شد بباد
شدجہان بیت العروس آسازصلح روم وروس
عزت اسلام زیبا باد و کسرِ کافران (۱۸۵۶)
بی سر بدگوزنند از سال ہجرت بانگ کوس (۱۲۷۲)
تابود برصفحۂ اندیشہ تصویر خیال
کشورِ اسلام بادا زیبِ رشک تنکلوس ۳ ہ
آنکہ با اسلامیان مانندِ شیطان کج رَوَد
پشت او از تیر بارانِ حوادث ہمچونوس ۴ ہ
وانکہ آبادان نخواہد ملک دین بادامدام
درکلیسا بوم سان آوارہ آن شوم کلوس ۵ ہ

---

۳ ہ ایک رومی حکیم نوشاد کی کتاب کا نام ۴ ہ قوس قزح ، قوس بمعنی کمان ، قزح بمعنی شیطان ،بولِ سگ ۵ ہ سفید آنکھوں چہرے اور تھوتھنی والا گھوڑا جو منحوس خیال کیا جاتا ہے ۔

چند تواریخ اور مخظ هوں ـ
کمپنی (ایسٹ انڈیا کمپنی ؟) کے معزول هونے پر :.......
که " روشن شوداز چراغان زیبا " (۹ ـ ۱۸۵۸) غدر کے موقع
پر دہلی کی حالت سے متعلق ۳ اشعار ، آخری شعر ـ

سالِ تاریخ خرابی ترامی جُستم
خورد درگوشِ من از غیب "دریغ ای دهلی" (۱۸۵۷)

بہادر شاہ ظفر کی وفات پر پانچ اشعار ، جن میں شاعر نے اپنے دکھ اور غم کا اظہار پر تاثیر انداز میں کیا ہے آخری شعر ـ

جہان روشن زمانم او چوگشت تیرہ بچشمِ مردم
دلم ستاریخ سالِ فوتش "سراجِ تیمور گل شدہ " گفت
۱۲۷۰ (۳ ـ ۱۸۶۲)

جیسا که پہلے عرض هوا ، شعری نے تقریباً ہر صنفِ شعر قصیدہ ، غزل ، قطعه ، رباعی ، مثنوی ، مستزاد ،میں طبع آزمائی کی هے ، اس بنا پر اس کی شاعری سے بحث کے لیے ایک طویل مقاله درکار هے ـ تاهم اس سے شناسائی کے لیے مشتے نمونه از خروارے کے مصداق اس کی غزل ، رباعی اور قطعه وغیرہ کا مختصر مطالعه پیش کیا جاتا هے ـ

شعری کو اپنی سرزمین وطن کشمیر سے جو وابستگی هے اُس کا اظہار اس نے بعض غزلیات اور قطعات میں کیا هے ـ اس میں اس نے اظہار جذبات کے علاوہ منظر کشی کے بھی عمدہ گُل بوٹے کھلائے هیں ، جن میں سادگی کے باوصف ایک خاص رنگینی ، دل کشی اور تاثیر هے ـ تشبیہات و استعارات سے بھی اس نے وهاں کے حُسن کو نکھارنے کی سعی کی هے ـ سادہ انداز اور چھوٹی رواں بحر میں یه غزل لایق ملاحظه هے جس میں کشمیر کا فطری حُسن و دل کشی ، سبزہ و گل اور شگفتگی و تازگی مجسم هو کر سامنے آتی هے ـ مقطع میں جس طور اُس نے تعلّی سے کام لیا هے وہ اپنی جگه قابل توجه هے ـ

بسکه رنگین بہارِ کشمیر است
سوزنِ لعل خارِ کشمیر است

در دماغ جهان نسیم نشاط
از گل شالمار کشمیر است
رنگِ معجز طراز خامهٔ صُنع
حرفِ نقش و نگار کشمیر است
از سواد و بیاضِ دیدهٔ حُور
رنگِ لیل و نهارِ کشمیر است
مایهٔ نشاءِ جوانی ہا
سیر باغ و بہار کشمیر است
غمِ صدساله را ز دل بُردن
به یکی جلوه کارِ کشمیراست
شاهدِ حُسن را خطِ مُشکین
عکسی از سبزه زارکشمیراست
صیدِ عشرت که از جهان رم کرد
به نسیمی شکار کشمیر است
آبِ نشو و نمایِ عالم حُسن
مایهٔ برگ و بار کشمیراست
فکرِ جنت بدل نمی گذرد
در جهان تا دیارِ کشمیراست
وصفش این بس که میرزا شعری
بلبلِ نوبهارِ کشمیر است

اسی ضمن میں ایک اور غزل کے چند اشعار ملاحظ ہوں ، ان میں بھی دلفریب منظر کشی قاری پر ایک گہرا تاثر چھوڑتی ھے ۔ دوسرے شعر میں ایک اچھوتا مضمون یہ پیش کیا ھے کہ اس کی سیر ، پُل صراط سے گزرنے کی تکلیف کے بغیر فردوس کا نظارہ کرنا ھے ۔ تیسرے شعر میں بھی خوب صورت استعارے سے ایک خاص دلکشی پیدا ہو گئی ہے ۔

صبح کشمیر و ہوائی عشرت و باغ نشاط
آبشار و یاسمین زاروبہار اختلاط
درحقیقت سیر این گلزار روحانی بود
دیدنِ فردوس بی رنج گزشتن از صراط

ابر از دریا دلیہار بہر میخواران گسیخت
عقدِ مروا ریدِ غلطان بر زمرد گون بساط
پر تو خورشید رویان کردہ دلہا غرقِ نور
ہر طرف درسایہ گستردہ بساطِ انبساط
حاصلِ عُمرِ گرامی این قدر شعریؔ بس است
شام در باغِ نسیم و صبح درباغِ نشاط

مذکورہ بالا قسم کی منظر کشی میں قاآنی کا انداز جھلکتا ھے ۔ برصغیر کی ، بالخصوص مغلیہ دور کی فارسی شاعری کو ایرانی نقادوں نے "سبکِ ہندی" کا نام دیا ھے ۔ اس دبستان شعر کی ایک خوبی مضمون آفرینی ھے (آخری مغل دور کے فارسی شاعر مضمون آفرینی میں اتنی دور نکل گئے کہ شعریت ختم ہو گئی ، اسی لیے بعض ایرانی نقاد اسے "مردور" طرز شعر قرار دیتے ھیں) اور دوسری خوبیوں کے علاوہ ایک اور خوبی تمثیل گوئی ھے ۔ شعری کے کلام پر اس سبک کی چھاپ تو ھے لیکن اس نے شعریت ، سادگی اور تاثیر کا بہرحال خیال رکھا ھے ، یہی وجہ ھے کہ فارسی زبان سے مناسب تعلق رکھنے والا قاری بھی اس کے کلام سے محظوظ ہو سکتا ھے ، اور یہ بجائے خود ایک خوبی ھے ۔ چھوٹی بحر کی ایک غزل کے چند اشعار دیکھیئے ۔ ان میں صرف الف کے اضافے سے غنائیت بھی پیدا ہو گئی ھے اور دلکشی بھی ۔ پھر بول چال کے لہجے کی سادگی کلام نے بھی اسے ایک خاص حُسن بخشا ھے ۔ اگر اس میں شعری کا تخلص نہ لایا جائے تو اسے بآسانی کسی ایرانی استاد کا کلام سمجھا جا سکتا ھے ۔

شوخا ! شگرفا ، نا مہربانا
یارا ، بہارا ، جانا ، جہانا !
شورِ بیانت دل بُردہ از من
طوطی زبانا ، شکر دہانا !
خوابم ربودی تابم فزودی
افسانہ خوانا ، افسون بیانا !
رازِ دلم را دانی بہ از من
ناگفتہ دانا ، ننوشتہ خوانا !

آئی کمر بستہ بر قتلِ شعری
نازک میانا ، سرو روانا !

اسی طرح یہ چند اشعار بھی ملاحظ ہوں جو چھوٹی بحر کی ایک غزل سے ہیں اور جو بول چال کا لہجہ لیے ہوئے ہیں - ان میں بھی تاثیر اور سادگی اپنے حُسن کے ساتھ موجود ہے -

گر وفا کر دی ارجفا کر دی
بارک اللّٰہ ہمہ بجاکر دی
ہیچگہ در دلِ تومی گزرد ؟
کہ چہا کردم و چہا کر دی
بغلط می توان وفا کردن
نیست یک وعدہ کان وفا کردی
ناحق آزردہ ای دلِ شعری
صیدِ پابستہ را رہا کر دی

اس دور کے رواج کے مطابق شعری کی غزل بھی محبوب کے لب و رخسار ، اس کی تنگ دہنی اور زلف و گیسو کے گرد گھومتی ہے - زاہد اور شیخ پر چوٹ ہے - مشکل ردیفوں میں بھی طبع آزمائی کی گئی ہے - لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے دل کشی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا - نئے نئے مضامین تراکیب اور تشبیہات واستعارات سے اس کی شاید ہی کوئی غزل خالی ہو گی - بعض اشار زبردست درس اور پیغام کے حامل ہیں - عشق کی زبردست قوت ، فقرو استغنا کی عظمت اور جذبِ ہمت کی رسائی پر بھی شعری نے خامہ فرسائی کی ہے - درج ذیل غزل میں تعلّی کے ساتھ یہ مضامین بھی قاری کی توجہ اپنی طرف منعطف کراتے ہیں - اس کے بقول عشق میں اتنی قوت ہے کہ وہ کاہ کو کہربا کی سی کشش عطا کر دیتا ہے - ہُما ایک فرضی پرندہ ہے جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس کا سایہ جس کے سر پر پڑ جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے -(اسے کی علامت کہا جا سکتا ہے) شعری نے اسی حوالے سے فقروتجرید کو یہ مقام عطا کیا ہے - چند اشعار -

میوۂ حُسن گر افتاد بلند
عشق را دستِ رسامی بخشد

کاه را ، عشق بمستی آرد
جذبۀ کاه رُبا می بخشد
قفر برسر ز کلاهِ تجرید
سایۀ بالِ هُما می بخشد
دل قوی دار که جذبِ ہمت
وصلِ شاهی بگدا می بخشد
زنده شد دل ز دمِ تو شعری
سخنت آب بقا می بخشد

ردیف " م " کی بعض غزلوں میں ، جہاں وہ صیغۂ مُتکلِم سے کام لیتا ھے ، اُس کا لہجہ ایک خاص طنطنے کا حامل ھے ۔ ایسی ہی ایک غزل کے یہ چند اشعار لائقِ ملاحظہ ھیں ، جن میں اس نے اوہام پرستی سے اپنی بیزاری ، وحشت دوستی ، دوسروں کا احسان اٹھانے سے پرہیز ، یک درگیر و محکم گیر کا احساس و اظہار ، انسان دوستی اور انعام و اکرام سے بے نیازی کی باتیں زور دار انداز میں کی ھیں ۔

میلِ عجبی بود چو معنی بسوادم
صیقل گرِ آئینۀ اوہام نگشتم
شُد دام زمن رشتۀ امیدِ گسسته
وحشتکده ای یافتم ورام نگشتم
راه از دلِ خود جانبِ دلدار کشودم
محتاج سوی نامه و پیغام نگشتم
وحشت مشمر ، بست پرم رشتۀ الفت
گر مُرغِ سراسیمه ہر بام نگشتم
جُز آدمیت مطلبم از آدمیان نیست
خورسند بانعام چو اَنعام نگشتم

فارسی شاعری میں واسوخت کم ہی دیکھنے میں آتی ھے جو ھے بھی تو وہ بھی صرف متاخرین میں سے ایک آدھ کہ یہاں بہت محدود صورت میں ھے ۔ شعری فارسی شاعری کی روایات ، زبان، محاورہ ، روز مرہ اور دیگر لوازم سے بخوبی آگاہ ھے جو اس کے وسیع مطالع پر دال ھے ۔ واسوخت میں اس نے بھی طبع آزمائی کی ھے ۔ اس کی غزلیات کے غائرانہ مطالع کے نتیجے

میں ایسی ایک غزل سامنے آئی ہے ، ممکن ہے غائر مطالع سے کچھ اور شعر بھی ہاتھ لگ جائیں ۔ بہرحال اس غزل میں اس کا لہجہ کچھ اِس قسم کا ہے جیسے کوئی کسی سے جان چھڑا رہا ہو کہ میاں ! ہاتھ جوڑتا ہوں ، جا خلاصی کر ، جان چھوڑ بہت ہو چکی ، تجھ سے پیار کیا ، جھک ماری ۔ بعض الفاظ کی تکرار سے اس نے لہجے میں زور پیدا کرنے کی سعی کی ہے ۔ بعض صنایع کا استعمال اس خوبی سے کیا ہے کہ اس سے شعر میں لطف پیدا ہو گیا ہے ۔ وہ دوست کو سنگدل کہہ کر اُس کے پاس سے چلے جانے کو کہتا ہے جس کا باعث اس کی غیرت ہے ۔ جب تک اس میں صبر تھا وہ اس کی جفائیں برادشت کرتا رہا ، اور اب بے صبری اس کے لیے بلا بن چکی ہے ، اس صورت میں دوست کا چلے جانا ہی مناسب ہے ۔ وہ کبھی اُسے عاجزی سے بلایا کرتا تھا کہ اے دوست آجا ، آجا ، آجا لیکن موجودہ صورتِ حال اُسے اِس پر مجبور کرتی ہے کہ وہ دوست کو " اب چلا جا ، جا چلا جا " کہے ۔ پوری غزل نقل کرنے کے لایق ہے ۔

ای یار سنگ دل برو از پیشِ ما برو
غیرت بلای جان شده است ای بلا برو

دستی دراز کرده بزلفِ تو مدعی
کوتاه گشت سلسلهٔ مُدعا برو

تا صبر بود تابِ جفای تو داگستم
بی صبریم بلا شده ای پُر جفا برو

رفت آن "بیا! بیا و بیا!" گفتم بعجز
اکنون "برو! برو" ای بیوفا برو

چیدم بساطِ مہر و کشیدم قدم ز کار
با خویش باز نرد فریب و دغا برو

ساخت سینه ، برهم مرا چکار
با درد خود گرفت دلم ای دوا برو

شرمنده نگاهی از آن چشم نیستم
چون طفل اشکم از نظر ای بی‌صفا برو

ما ماهیِ تپیدهٔ دشتِ ملامتیم
شعری نه ای حریف ز بهر خدا برو

مختلف غزلوں کے چند اشعار، جن میں سے بعض ضرب المثل بن سکتے ہیں ۔ مثلاً تیسرا شعر ۔

غمخواری تراچه کنم شکر کز کرم
زخمِ مرا علاج بزخمِ دگر کُنی
گریبان مطلع خورشید کردی
ز نورِ ماهِ تابانی که داری
یار آنست که باری ببرد از یاری
گر تو باری نبری بار میفگن باری

(دوست وہ ہے جو دوست کا بوجھ اٹھائیے ۔ اگر تو بوجھ نہیں اٹھاتا تو اپنا بوجھ تو نہ ڈال) عشق کی برتری عقل پر ۔

نمودم تختۂ دل را زنقش نیک وبد ساده
ز جهلم علم میگیرد سبق دانشورِ عشقم

(میں نے دل کی تختی کو اچھے بُرے نقش سے صاف رکھا ہے ۔ میری نادانی سے علم سبق لیتا ہے کیونکہ میں عشق کا دانشور ہوں) شعری نے رباعیات کوئی ڈیرھ سو کے لگ بھگ کہی ہیں ۔ ان میں اظہارِ عصیاں اور مغفرت کی دُعا ، اور نور یقین کے حصول کی آرزو و دعا ہے ایسے مضامین کے علاوہ حضرت نبی کریم اور اپنے مرشدِ روحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سے بیحد وابستگی کا اظہار ہے ۔ کہیں کہیں بیہودگیوں میں زندگی گزرنے پر تأسف ہے ۔ فرقہ پرست لوگ بھی اس کی طعن و تشنیع کا نشانہ بنے ہیں ، جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ فرقہ پرستی کی لعنت سے پاک ایک سیدھا سادا مسلمان تھا ۔ اُس کی رباعیات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اُس نے محض طبع آزمائی کے لیے یہ رباعیات نہیں کہیں ، کہ عشق و عاشقی کے مضامین ان میں بہت کم ہیں ، بلکہ دلی جذبے اور ایک خاص مقصد کی خاطر کہی ہیں ۔ بعض رباعیات میں پند و موعظت ہے ، اور صرف ایک آدھ رباعی ایسی ہے جس میں اُس نے تعلّی سے کام لیا ہے ۔ مثلاً ۔

شعری رشکِ لبید و سحبانی تو
نامت حسن و بشعر حسّانی تو

امروز بنظم و نثر لاثانی تو
میدانی تو اگرنہ میدانی تو

دو ایک رباعیات میں مدح آ گئی ہے - اب چند ایک رباعیات کا مطالعہ ہو جائے - حضور حق میں دل کو نورِ یقین سے منوّر کرنے کی درخواست اور اس کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت -

یارب بشناسائی خود راہ نمای
از نورِ یقین دلم منوّر فرمای
پیش تو حبیبِ تو شفیع آوردم
برعاجزی و ضیعفی من بخشای

ایک رباعی میں حضور اکرم کے عدم سایہ کا موضوعن یہ پیدا کیا ہے کہ چونکہ حضور ، سایہ حق تھے ، اسی لئے حضور کا سایہ نہ تھا کیونکہ سائے کے اندر کوئی اور سایہ نہیں ہوتا -

سلطانِ رُسُل کہ کس ازو برتر نیست
در راہِ خدا بغیرِ او رہبر نیست
او سایہ حق بود ازان سایہ نداشت
زیرا کہ بسایہ سایہ دیگر نیست

عمر خیام نے ایک جگہ کہا ہے کہ آج تمھیں " فردا "پر دسترس نہیں ہے (کچھ معلوم نہیں) اور آنے والے کل کے بارے میں فکرو اندیشہ بجز جنوں کے کچھ نہیں ، اس لئے یہ جو لمحات میسر آ گئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو (یعنی کھاؤ پیو عیش کرو) ، کیونکہ باقی عمر کی کوئی قیمت معلوم نہیں ، یا یہ کہ کل گزر چکا اسے یاد نہ کرو ، فردا آیا نہیں ، اس لیے پہلے ہی شور نہ مچاؤ - جو وقت ابھی نہیں آیا اورجو گزر چکا اِن دونوں کو بنیاد نہ بناؤ ، اِس وقت خوش رہو اور عمر ضائع نہ کرو -

امروز ترا دسترسِ فردا نیست
و اندیشۂ فردات بجز سودا نیست
ضایع مکن این دم ار دلت شیدا نیست
کاین باقی عمر را بہا پیدا نیست

از دی که گذشت ازو یاد مکن
فردا که نیامده است فریاد مکن
برنامده و گذشته بنیاد مکن
حالی خوش باش و عمر برباد مکن

شعری کی درج ذیل رباعی غالباً خیام کی رباعیات کا جواب هے ۔

فرصت مده از دست که جان سوز بود
مگزار که طبع تو بد آموز شور
دیروز شد و غرهٔ مشو بر امروز
امروز تو فرداست که دیروز شور

بعض رباعیات میں ناممکنات کا ذکر کر کے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کی کوشش کی هے ۔ مثلاً ایک رباعی میں دوست کو حاصل کرنے اور دوسری میں بدگو کا منه بند کرنے میں دشواری اور عدم امکان کی بات اس لہجے میں کی هے ۔ اس کے مطابق حنظل سے شیرینی ، حبشیوں میں حور اور مرغی کے انڈے سے کلنگ کا حصول ممکن هے لیکن تجھے حاصل نہیں کیا جاسکتا ۔ اس کے مطابق آسمان کی گردش بند کی جا سکتی هے ، حضرت موسیٰ[۱] کے معجزہ کا توڑ کیا جا سکتا هے اور در دوزخ کو کچے دھاگے سے باندھنا ممکن هے لیکن کسی بدگو کا منه بند کرنا ممکن نہیں ۔ اس قسم کا انداز فارسی کے مشہور شاعر ابن یمین (م ۔ ۷۶۹/۸ ۔ ۱۳۶۷) کے یہاں دیکھنے میں آتا هے ، لیکن بظاهر شعری نے اس ضمن میں اس سے استفادہ نہیں کیا ۔

شیرینی شکر از شرنگ آور دن
حور از میان قوم زنگ آور دن
از بیضهٔ ماکیان کلنگ آوردن
بتوان ، نتوان ترا بچنگ آوردن

بر راه فلک راه تگاپو بستن
اعجاز کلیم را بجادو بستن
بستن به یخ خام در دوزخ را
بتوان ،نتوان دهان بدگو بستن

انکسار اور اپنے کیے پر ندامت کو شعری نے بہت وقعت

دی ھے ۔ وہ انھیں ایسی عبادت و ریاضت سے افضل قرار دیتا ھے جس سے انسان میں نخوت پیدا ھو ، اُس کی اِس قسم کی رباعیات میں خیام کا رنگ جھلکتا ھے ۔

ے
تن زن بفرو تنی کہ عزّت آرد
بگریز زسر کشی کہ ذلت آرد
ہر معصیتی کزان مزامت خیزد
بہتر زعبادتی کہ نخوت آرد

قطعات کی تعداد زیادہ نہیں ھے۔ بعض میں مدح کے مضامین ھیں، بعض میں عشقیہ اور بعض میں یوں معلوم ھوتا ھے جیسے غزل کے الگ الگ شعر ھوں ۔ بیشتر قطعات دو دو چار چار اشعار پر مشتمل ھیں صرف چند ایک کسی حد تک طویل ھیں، درج ذیل قطعہ دو مضمونوں پر حاوی ھے جنکا کوئی باھمی ربط نہیں ھے ۔ ان دو شعروں کو باقاعدہ غزل کے دو الگ الگ شعر کہا جاسکتا ھے۔ معلوم ھوتا ھے شعری نے "افراد یا مفردات" کو بھی قطعات کے ذیل میں رکھ دیا ھے اگرچہ "مفردات" کا باب بھی کلیات میں موجود ھے ۔ اِس قطعے کا پہلا شعر پند و موعظت پر مبنی ھے۔ پہلے مصرعے میں ایک نصیحت دعوے کی صورت میں ھے جبکہ دوسرے میں تمثیل سے اسکو ثابت کیا ھے۔ دوسرے شعر میں بیکار قسم کی شاعری سے اجتناب کرنے کی بات کی ھے اور کہا ھے کہ کوئی رنگین مضمون ھاتھ لگے تو ٹھیک ھے ورنہ صفحہ سیاہ کرنے کی کیا ضرورت ھے ۔

ے
بزمی جا تو ان در خاطرِ آہن دلان کردن
چو درزی بگزراند رشتہ راتر کردہ از سوزن
چہ باید صفحہ را کردن سیاہ شعری احسا آسا
اگر مضمون رنگینی بدست آید تو ان بستن

ایک قطعہ اہلِ کلکتہ کی مذمت میں ھے جو قطعات مدح میں ھیں ان میں خوب زور بیان ھے جیسا ایک قطعہ کسی منشی غلام غوث کی مدح میں ھے ۔ اس میں الفاظ کی نشست و برخاست نے ایک خاص حُسن اور لہجہ پیدا ھو گیا ھے۔ قافیہ اور ردیف نے بھی قطعہ کو زور دار بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا ھے ۔

ے
اہلِ کرم بخوان مروت صلا دہند
لب تشنہ را نوید ز لال بقا دہند

چون آفتابِ حادثه آتش فشان شود
جا خلق را بسایهٔ بالِ ہُما دہند
گلگون کُنند روی محبّان بالتفات
رنگِ شکسته را بنظر مومیا دہند
عطر دماغہا چو شود بوی پیرہن
مُشکِ ختا ز نافهٔ چینِ قبا دہند
حُسنِ صفت ہمه سببِ دلبری بود
خودگو که خلق دل بتکلف چرا دہند
ذکرِ جمیل وردِ زبانہا کند وبس
ہمراه نام خود بشمال وصبا دہند
قربانیاں چو بہره برند از جمال عید
بس چشمہا بسرمهٔ حیرت جلا دہند

یه قطعه بهی مدحیه هے ۔ پہلے قطع کی نسبت اسمیں براه راست مدح آگئی هے ۔ فنی خوبیاں وهی هیں جن کا پہلے ذکر هوا بعض تراکیب جدّت کی حامل هیں ۔

خواهم نہم بفرقِ زبان افسرِ بیان
در مدحِ برگُزیدهٔ اعیان کبیر خان
جسمِ حیا و جانِ مروّت ، دلِ سخا
بازوی زور مندی و سرپنجهٔ توان
از رنگِ چہره اش بشگفتن جبین کشاد
زان لافِ سُرخروئی زد بختِ نوجوان
ابریست قطره بار ، بہر جا کند گزر
بحریست دُر نثار بہر جا کند مکان
تدبیر او که تیر صوابی است بی خطا
اول زده نشانه وپس جسته از کمان
در پرده او ، تجارتِ او شاہی آشکار
تسخیر کرده کشور دلہای این و آن
ہر لحظه از تجارتِ اومی رسد بگوش
یادِ بشیر و یوسفِ مصری و کاروان
از حُسنِ سعی و نیتّ او درتجارتش
یک روزه نفع حاصلِ ساله بحرو کان

ای جبهۂ شگفتۂ تو نقشِ مدعا
ای صدرِ بارگاہِ تو سرمایۂ امان

بعض قطعات میں نامعلوم لوگوں کی ہجو ہے ۔ ان لوگوں کے نام لینے سے اس نے کیوں اجتناب کیا ہے ؟ اس کا جواب بظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ اُس نے بالواسطہ انداز اختیار کر کے ان لوگوں کی عزت بھی رکھ لی اور اپنے دل کی بھڑاس بھی نکال لی ہے ۔ فارسی شاعری میں ہجو کا معاملہ بڑا خطرناک ہے ۔ اس میں بڑے بڑے پارسا قسم کے شعرا نے زبان کے وہ " جوہر " دکھائے ہیں ۔ شعری کا اِس ضمن میں اُن سے متاثر نہ ہونا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے ۔ اُس کی ہجو میں وہ تندی و شدتِ لہجہ نہیں ہے ۔ شاید اس کا سبب اسکی شرافت طبع ہو ۔ جو چند ایک ہجویہ قطعات اُس کے کلیات میں شامل ہیں ۔ اُن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ فطرتاً ہجو گو شاعر نہیں تھا ۔ ایک قطعے میں شکایت کا پہلو بھی ہے اور ہجو اور تعلی بھی ۔ ردیف " را چہ خواہم کرد" جدّت کی حامل بھی ہے اور قطعے میں تاثیر و دلکشی کا باعث بھی ۔

بعض قطعات ضیافت کے سلسلے میں ہیں ۔ ان میں سے چند ایک خاصے دلچسپ ہیں اور آج بھی ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے ۔ دعوت دیتے وقت بھی شعری نے شعریت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ۔

بیا و تازہ نما رسمِ مہربانیہا
شگفتہ ساز چوگل بزمِ دلستانیہا
دمی بکامِ دلِ دوستان بسر بردن
بس است حاصلِ اوقات شادمانیہا

(آ اور مہربانیوں کی رسم کی تجدید کر ،بزمِ دلِ ستانی کو پھول کر مانند شگفتہ کر دے ۔ کچھ دیر کے لیے دوستوں کے حسبِ خواہش وقت گزارنا ہی شادمانی کے لمحات کاحاصل ہے)

اشب کہ ہوای شادمانیست بیا
آہنگ نوای کامرانیست بیا
باہم بنشستن و بہم گفتنِ راز
سرمایۂ عمرِ جاودانست بیا

(آج رات جب شادمانی کی فضا چھائی ہوئی ہے : آجا ، کامرانی کا نغمہ برپا ہے ، آجا اکھٹے بیٹھنا اور دل کی باتیں کرنا عمرِ جاودانی کا سرمایہ ہے ، آجا)

در محفل دوستان چون شمع بیا
یاران ہمۂ جمع اند دراین جمع بیا
چشمی است براہ ہر کجا کہ می نگری [٦]
درباصرہ بنشین ز رہِ چشم بیا

(دوستوں کی محفل میں شمع کی صورت آ ۔ تمام احباب جمع ہیں ، اس جماعت میں آ ۔ جدھر بھی تو دیکھے گا تجھے کوئی نہ کوئی چشم براہ نظر آئے گا ۔ تو بینائی میں بیٹھ اور آنکھ کے راستے آ)

جیسا کہ شروع میں بیان ہوا ، شعری نے بہت سی تاریخیں بھی کہی ہیں ، جو بیشتر قطعات کی صورت میں ہیں ، ان میں سے چند ایک کی طرف پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے ۔ چند ایک اور ملاحظہ ہوں ۔ اس نے چھوٹی چھوٹی باتوں اور چیزوں کی تاریخیں نکالی ہیں ، اور بظاہر ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے متعلق بھی اس نے دلچسپی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ۔ ایک قطعہ انگشتری کی تاریخ میں ہے ۔ کسی سلیمان خان نے انگوٹھی بنوائی ہے ۔ یہ ایک معمولی سی بات ہے ۔ لیکن ملاحظہ ہو کہ اس نے کس طرح لفظوں پر کھیل کر تلیمح قرآنی سے پُر تاثیر فائدہ اٹھایا ہے ۔ اور قطعے کو فنی و معنوی طو پر دلنشین بنا دیا ہے ۔

ساخت انگشتری سلیمان خان
رشکِ خورشید از زر کانی
سالِ تاریخ خواست زرگرِعقل
گفتمش " خاتم سلیمانی"

ذیل میں کسی عمارت کی تاریخ ہے ۔ کسی غاصب نے یہ عمارت

---

[٦] اِس قطعے میں قافیے کی گڑ بڑ ہو گئی ہے ۔ یہاں سمع کا قافیہ آیا ہے ۔ شعری ایک منجھا ہوا شاعر ہے ، وہ فنی باریکیوں سے آگاہ ہے ۔ شاید یہ کتابت کی غلطی ہے ۔

تعمیر کرائی ہے ۔ شعری نے پہلے دو شعروں میں بظاہر اس شخص کی تعریف کی ہے لیکن تیسرے شعر میں اس کا پول کھول دیا ہے ۔ گویا یہ ہجویہ تاریخ ہے اور فارسی شاعری میں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے ، اس طرح یہ خاص شعری کی ایجاد ہے ۔ عمارت کو ملمع کار کہہ کر اس شخص کے " حُسنِ مقال "سے تشبیہ دینا کاٹ دار طنز کی عمدہ مثال ہے ۔ خود تاریخ بھی لاجواب ہے ، اور یہ بات تاریخ گوئی میں شعری کی زبردست مہارت کی غمازی کرتی ہے ۔

بزرگِ خوردہ دان یک خانۂ ساخت
ملمع کار چون حُسنِ مقالش
باستحکام آن بس سعی ہا کرد
کہ دارد پای زیرِ وجدو حالش
چو صرفِ آن مقام آمد زرِ غصب
" مقامِ غصب " شُد تاریخ سالش

اکثر قطعاتِ تاریخ کسی قدر طویل ہیں ۔ یہاں صرف دو دو تین تین اشعار کے قطعات کا ذکر مقصود ہے ۔ درج ذیل قطعے کسی عبادت گاہ کی تعمیر کی تاریخ کا حامل اور صرف دو اشعار پر مشتمل ہے ۔ اس میں قافیہ خوب ہے ۔

بِنا شُد منزلی از حُسنِ نیّت
چو شیرین بوسۂ خوبانِ مالح
رقم زد خامہ ام سالِ بِنائیش
" عبادت خانۂ زہّادِ صالح"

کسی ممدوح کی آمد پر تاریخ کہی ہے ۔ یہاں یہ بات لایق توجہ ہے کہ وہ محض سیدھی سادی تاریخ پر اکتفا نہیں کرتا ، بلکہ موقع محل اور چیز وغیرہ کے مطابق فضا قائم کرتا اور الفاظ لاتا ہے ، جیسا کہ مذکورہ قطعات سے واضح ہے ۔ اسی طرح اس قطعے میں بھی اُس نے مذکورہ انداز کو ملحوظ رکھا ہے ، یعنی یہ کسی ممدوح کے ورود سے متعلق ہے ، اس لیے اس میں وہی مضمون اور الفاظ ہیں ، جن کا تعلق مدح سے ہے ، اور یہ مدح کا بالواسطہ انداز ہے ، جس سے قطعے میں دلکشی پیدا ہو گئی ہے ۔

صدشکر کہ خواجہ باز آمد امسال
شُد کاسہ و کیسۂ امل مالا مال
تاریخ قدومش دلم از فکر شنید
آمد گہر سخا بدُرجِ اقبال

یہ مضمون کلامِ شعرؔی کے طائرانہ مطالعے کے بعد اس کے بعد اس کے مختصر تعارف کی صورت ہے ، ورنہ اس کا کلیات کچھ اوپر پانسو صفحات کو محیط ہے اور اس میں مثنوی کے علاوہ قصاید کا بھی خاصہ حصّہ ہے اور یہ قصاید استادانہ رنگ لیے ہوئے ہیں ۔